نقش آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ العصر مفسر قرآن مفتی اعظم مولانا محمد شفیع کی وفات

۵-۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو کراچی میں علم وفضل کا ایک ایسا آفتاب وماہتاب غروب ہوگیا جسکی ضیاء باریوں سے پون صدی تک برصغیر کی علمی دنیا مستنیر ہوتی رہی علم وعرفان کی وہ بساط اجڑ گئی جو قیامِ پاکستان کے بعد کراچی جیسے صنعتی اور مادی مرکز میں علمی اور روحانی سیرابی کا سامان بنی رہی۔

اسلاف کے کاروانِ علم وفضل کے فردِ فرید، دنیائے فقہ وشریعت کے گوہرِ تابندہ، فقیہ الملۃ، مفسرِ عصر، محققِ بے بدل مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ واصل بحق ہوئے۔ وقعت الواقعۃ، فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحب کے ہم مشرب بزرگ علامہ سلیمان ندویؒ نے اپنے مرشد حکیم الامۃ تھانویؒ کے وصال پر کہا تھا ؎

اے دلِ خموش صبر ورضا کا مقام ہے ۔۔۔ نقشِ دوامِ فیض مٹایا نہ جائے گا۔

اور آخر میں مقطع تھا کہ ؎

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ ۔۔۔ یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا۔

آج بزمِ اشرفؒ کی محفلِ دوشین کا چراغ خموش ہوگیا ہے مگر اس کی ضوفشانیاں قائم رہیں گی۔ اور اس چراغِ علم وعرفان کی فیوضِ خیر وبرکت کا چراغ جلتا رہے گا۔۔۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کی دینی وعلمی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ ایک کم سواد غمزدہ اپنے تعزیتی کلمات میں کسی ایک گوشہ کا بھی احاطہ نہیں کرسکتا۔ حضرت کی ذات شریعت وطریقت کا سنگم اور علم ومعرفت کا مجمع البحرین تھی۔ وہ اکابر دیوبند کے اس سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی تھے، جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اور جن کے وجود سے زمین کی نمکینی قائم رہتی ہے۔ اور جن میں سے ایک ہستی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو دیکھ کر عالمِ اسلام کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری نے کہا تھا: واللہ ما رأیت مثلہ ھذا قط۔ (واللہ میں نے ان جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔) اور ان اکابر کے مادرِ علمی دیوبند کی عظمت تو ایسی ان کے دل پر نقش ہوئی کہ فرمایا: لو لم ارھا لرجعت من الھند حزیناً۔ (اگر میں دیوبند کو نہ دیکھ چکا ہوتا تو ہندوستان سے غمگین جاتا۔) حضرت مفتی صاحبؒ کو ان اسلاف کا علم وعمل، زہد وتقویٰ، تبحر اور جامعیت ورثہ میں ملی، انہوں نے اس

وراثت کو اخیر دم تک سینہ سے لگائے رکھا، اور جاتے وقت یہ امانت اپنے اخلاف کے سپرد کر دی

اھیم بلیلیٰ ماحییتُ وان امت اوکّل بلیلیٰ من یھیم بھا بعدی

حضرت مرحوم ۱۳۱۴ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت کے مراحل مرکزِ علوم اسلامیہ دارالعلوم میں وقت کے ممتاز علماء سے طے کئے۔ ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد قیام پاکستان تک دارالعلوم دیوبند میں افتاء و تدریس اور تصنیف و تالیف کی خدمات جلیلہ میں مشغول رہے، اس دور میں آپ نے قادیانیت کے خلاف اپنے استاذ مولانا کشمیریؒ کی رہنمائی و رفاقت میں علمی و قلمی محاذ پہ عظیم الشان جہاد کیا۔ اور ختم نبوت کے موضوع پر اسلامی علم کلام وعقائد میں بہترین اضافہ کیا۔ بیعت اولاً حضرت شیخ الہندؒ سے فرمائی ان کے وصال کے بعد ۱۳۴۲ھ یا ۱۳۴۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ سے تجدید بیعت کی اور ایسا ربط و تعلق ان سے استوار ہوا کہ ان ہی کے ہو کر رہ گئے اور تحریک آزادی کے سیاسی ہنگاموں میں بھی ان سے رہنمائی لیتے رہے۔ حضرت حکیم الامت کو علمی کاموں میں آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ اکثر تصنیفی اور تحقیقی کاموں میں انہیں اپنا شریک کار بنایا اور جو کام حضرة حکیم الامتؒ بوجہ ضعف یا مشاغل خود نہ کر سکتے ان کی تکمیل آپ سے کرائی مثلاً حیلہ ناجزہ اور احکام القرآن جیسی علمی اور تحقیقی خدمات آپ سے کروائیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے فقہی، تفسیری اور تحقیقی خدمات کا رنگ آپ کے خلفاء میں حضرت مفتی صاحبؒ پہ بہت گہرا رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا خاص وصف فتویٰ نویسی بھی رہا ہر فتویٰ فقہی جزئیات کی تتبع و استقصاء اور اصول و جزئیات پہ گہرے نظر کا غماز ہوتا عصر حاضر کی علمی مشکلات اور حوادث و نوازل کے پیچیدہ مسائل میں علماء اجلہ بھی آپ ہی کیطرف رجوع فرماتے، یہاں تک کہ خود حضرت حکیم الامتؒ نے کئی بار ذاتی معاملات میں حضرت مفتی صاحبؒ سے استصواب فرما کر اس پر عمل کیا۔ ایسے ہی ایک فتویٰ کے جواب میں حکیم الامة مولانا تھانویؒ نے انہیں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنیوالے موجود ہیں۔ ہزارہا ہزار فتاویٰ کے علاوہ علوم اسلامیہ قرآن و حدیث، تفسیر و فقہ۔ کلام و عقائد، شعر و ادب، قانون و سیاست، معاشیات و معاشرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر آپ نے گرانقدر تصانیف نہ چھوڑی ہوں۔ اخیر عمر میں ضعف و علالت کے باوجود معارف القرآن کے نام سے وہ عظیم الشان تفسیر مکمل فرمائی جس نے پہلی بار اردو زبان میں ایک بڑی خلاء کو پُر کر دیا۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح و تربیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اصابت رائے، تدین و تقویٰ، ضبط و نظم اور سب سے بڑھ کر تواضع و انکساری اور تحمل و شفقت میں وہ اکابر کی تصویر تھے، اسی افتاد طبع کی بناء پر وہ منکرات کے مقابلہ اور ارباب اقتدار پر تنقید میں بھی مقابلے اور مجادلے کی بجائے داعیانہ اور حکیمانہ طریق کار پسند فرماتے اور خاموشی سے اصلاح احوال میں کوشاں رہتے، اسی انداز میں آپ نے صدر ایوب کو حکمت و موعظت سے خطوط لکھے اور اسی انداز میں صدر یحییٰ کو مراسلات کے ذریعہ متوجہ کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جس کے قیام میں آپ کا بھی حصہ تھا (اور اس باب میں آپ اپنے مرشد حکیم الامۃ تھانویؒ اور اپنے استاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ہمنوا اور شریک کار رہے۔) آپ نے پاکستان میں شریعتِ اسلامی کے نفاذ کی بھرپور کوشش کی قراردادِ مقاصد کی تکمیل میں آپ کا اہم حصہ تھا پھر ہر اہم موقعہ پر سیاسی میدان میں اپنی حد تک اصلاح احوال کی سعی فرماتے رہے، مگر قول وعمل میں سیاسی زعماء کی منافقت اور ان کے پرفریب اسلامی دعوؤں کے تسلسل نے بالآخر آپ کو مایوس کر دیا اور خارزارِ سیاست سے کنارہ کش ہو کر علمی و دینی خدمات میں مصروف ہو گئے جو ان کے ذوق و انہماک کا اصل میدان تھا۔ ان کے صدقاتِ جاریہ میں کراچی کا مشہور دارالعلوم بھی ہے جنہیں آپ نے ایک عظیم مرکز بنا کے چھوڑا اور اخلاف میں ہزاروں متوسلین کے علاوہ ان کے قابلِ فخر صاحبزادگان بالخصوص برادر گرامی مرتبت مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ جو ان کے لئے سرمایۂ خیر ہیں اور جنہیں خدا نے حضرت مفتی صاحب کے کمالات و صفات سے وافر حصہ دیا ہے۔ اپنے والد بزرگوار سے نہایت گہرے روحانی و علمی تعلق نے یہ سانحہ ان کے لئے اور بھی شدید بنا دیا ہے، اور اس عاجز سے برادر موصوف کا جو تعلق اخوۃ وداد ہے اس بناء پر یہ سانحہ فاجعہ تو میرے لئے بھی ذاتی نوعیت کا بن گیا ہے۔ اور میں خود مستحق تعزیت بن چکا ہوں۔ اب ان سے تعزیت کروں بھی تو کن الفاظ میں۔ اور کروں بھی تو کیونکر، کہ اسے موہم اجنبیت سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم حقانیہ سے حضرت مفتی صاحب کا جو تعلق خاطر رہا اور اس کے بانی اور شیخ الحدیث مدظلہٗ سے زمانہ قیام دیوبند کے رشتۂ تعلیم و تدریس میں اشتراک ان سب باتوں نے بھی دارالعلوم حقانیہ اور الحق کو شریکِ غم بنا دیا ہے اور دارالعلوم اپنے تمام طلباء واساتذہ کے ساتھ ایصالِ ثواب اور دعائے رفع درجات میں پوری ملتِ مسلمہ کا شریک ہے۔

★

بنگلہ دیش کے چمنستانِ علم میں خزاں

یہ عجیب سوءِ اتفاق ہے کہ مغرب میں آفتابِ علم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی شکل میں غروب ہوا تو اسی رات پاکستان کا وہ مرحوم حصہ جو کبھی مشرقی کہلاتا تھا، اپنے ہاں کے ایک آفتابِ رشد وہدایت مولانا اطہر علی خان جامعہ امدادیہ کشور گنج کے احباب سے محروم ہو گیا اور انہی ایام کے لگ بھگ بنگلہ دیش کے کئی ایک اور اکابرِ علم وفضل حضرۃ مولانا عبدالوہاب صاحب اور چاٹگام کے مولانا مفتی فیض اللہ صاحب وغیرہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ایسے تیزی سے علم وفضل کے قافلوں کا دنیائے فانی سے کوچ کر جانا دنیا کے حق میں اچھی علامت نہیں، قبضِ علماء کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراطِ ساعت میں سے قرار دیا ہے۔ جانے والوں کی مسندیں خالی ہوتی جا رہی ہیں اور امت کی اکثریت "محوِ نالۂ جرسِ کارواں" ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ملتِ مرحومہ کو مرحومین کی برکتوں سے مالامال رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۲۵ر شوال ۱۳۹۶ھ